حسرت کا تصورِ عشق

ڈاکٹر عطیہ رئیس،

دہلی یونیورسٹی،دہلی

تلخیص:عشق اور محبت کو انسانی محرکات میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے اس لیے ہمارے بعض شعراء نے عشق اور محبت کو ایک ہی معنی میں استعمال کرکے دونوں کے درمیانی فرق کو ختم کر دیا۔ اردو غزل کے تہذیبی عمل میں عشق اور محبت دونوں کو موضوعاتی طور پر برتا گیا بلکہ اردو شاعری ابتداء ہی سے یہ ایک اہم موضوع کے طور پر شامل رہا۔ اگر کلاسیکی شعری روایت پر نظر ڈالیں تو یہ صاف طور پر نظر آئے گا کہ عشق کا تصور ہجر و وصال، عشوہ و غمزہ، زلف و کاکل، ابرو و مژگاں، وغیرہ تک محدودرہا۔ جدید غزل نے بہت حد تک عشق کے تصور کو بدلنے کی کوشش کی اور اس میں تنوع پیدا کیا۔

کلیدی الفاظ:،اعتبار ،اہلیت،وافقت ، تخلیقی،جماعت ،خلاف ،ناقدین ، مستحکم

رئیس المتغزّلین فضل الحسن حسرت موہانی جدید غزل کے امام کہے جاتے ہیں۔ ان کو سیدلاحرار کے نا م سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اردو غزل کی کلاسیکی روایت کے خلاف جب ناقدین اور نظم نگاروں کی ایک بڑی جماعت صف آرا تھی، اُس زمانے میں یعنی بیسوی صدی کی تیسری چوتھی دہائی میں، جن شعراء نے غزل کی روایت کو مستحکم کیا ان میں حسرت موہانی پیش پیش تھے۔ غزل کے خلاف جن ناقدین اور نظم گو شعراء) حالی / نظم طبا طبائ عظمت اللہ خاں / کلیم الدین احمد (نے محاذآرائی کی تھی اُن کے استدلال کے پیچھے جو فنّی وجوہ کار فرما تھے اس سے کہیں زیادہ نظم کے ساتھ موافقت کا اندھا جذبہ کار فرما تھا۔ وہ غزل گوئی کو نظم کی مقبولیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھ بیٹھے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایسے نظم نگاروں کو اپنی تخلیقی اہلیت پر اعتبار ہی نہیں تھا لیکن دوسری طرف غزل گو شعراء کو اپنی اہلیت پر ہی نہیں بلکہ غزل کی قوتِ تاثیر پر بھی پورا بھروسہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کسی غزل گو شعراء نے نظم نگاری کو بے وقعت نہیں گردانا اور نہ ہی غزل کو نظم کے مقابلے رکھ کر ایک کو دوسرے سے برتر یا کم تر ٹھہرایا۔ غزل تہمتوں کے باوجود اپنے تہذیبی و لسانی ڈھانچے کے ساتھ زندہ رہی اور اسے زندہ رکھنے والوں میں حسرت نے جو کارہائے نمایاں انجام دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ ایک ایسا وقت تھا جب غزل آہستہ رَو ہوگئی تھی لیکن اِس آہستہ روی نے ثابت قدمی کے نشانات بھی چھوڑے اور کسی قسم کی مفقود کڑی (Missing Link) کو راہ پانے نہیں دیا۔ حسرت نے اپنی غزل گوئی سے نہ صرف کلاسیکی قدروں کی حفاظت کی بلکہ نئے زمانے کے تقاضوں سے بھی غزل کو ہم آہنگ کیا۔ انہوں نے نہ صرف غزل کا دفاع کیا بلکہ اسے فکری اور فنی اعتبار سے بھی ثروت مند کیا اور اپنے انفرادی شعری تجربوں سے غزل کو نئی تازگی دے کر اس کی آبرو رکھ لی۔

اردو شاعری میں عشق کے تصور کی تین جہتیں ہیں۔ عشق کی پہلی جہت وہ ہے جس میں براہِ راست خالق کائنات کے ساتھ خالص عشق کا اظہار ملتا ہے جس کی واضح صورت حمدیہ کلام میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ دوسری جہت تصوف کے وسیلے سے عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کے عنوانات سے غزل کا حصّہ بنا۔ تیسری جہت دنیاوی محبوب کے تصور سے ہم آہنگ ہے۔ عشق کے بارے میں عام تصوّر یہ ہے کہ یہ جذبے کی ارتفاعیت کا نام ہے۔ یعنی وجود کو جذبے میں غرق کر دینے کا نام ہے۔ ہم دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عشق، جذبے میں وجود کے گم ہو جانے کا نام ہے۔ اِس لئے عشق کو ایک وسیع تر کیفیت کا نام دیا گیا ہے جبکہ اس کے مقابلے محبت نسبتاً محدود کیفیت کی حامل ہوتی ہے جس میں ایک خاص فرد کو دوسری خاص ہستی سے پیار ہوتا ہے۔ عشق اور محبت کو انسانی محرکات میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے اس لیے ہمارے بعض شعراء نے عشق اور محبت کو ایک ہی معنی میں استعمال کرکے دونوں کے درمیانی فرق کو ختم کر دیا۔ اردو غزل کے تہذیبی عمل میں عشق اور محبت دونوں کو موضوعاتی طور پر برتا گیا بلکہ اردو شاعری ابتداء ہی سے یہ ایک اہم موضوع کے طور پرشامل رہا۔ اگر کلاسیکی شعری روایت پر نظر ڈالیں تو یہ صاف طور پر نظر آئے گا کہ عشق کا تصور ہجر و وصال، عشوہ و غمزہ، زلف و کاکل، ابرو و مژگاں، وغیرہ تک محدودرہا۔ جدید غزل نے بہت حد تک عشق کے تصور کو بدلنے کی کوشش کی اور اس میں تنوع پیدا کیا۔ جدید غزل کے علمبرداروں میں حسرت کا نام صفِ اول میں آتا ہے ۔انہوں نے اپنے تنقیدی اور سیاسی شعور کے ساتھ شعر وادب کی ذمہ داری بھی بخوبی نبھائی،کانگریس کے علاوہ مسلم لیگ سے بھی جڑے رہے ۔تصوف سے لگاؤ کی وجہ سے ان کی غزلوں میں‌جزبہ عشق دل کش انداز میں‌اور مختلف کیفیات کے ساتھ پایا جاتا ہے۔حسرت نے عشق و محبت کی وارداتوں کو نئے اسلوب میں پیش کیا۔انہوں نے عشق و محبت کے ہر اُس زاویے کو موضوع بنایا جن سے عشق و محبت کی وارداتوں کو نئے اسلوب پیش کیا۔ انہوں نے مختلف قسم کی دلی کیفیتوں کی ترجمانی کی اور اس کے نشیب و فراز کی تصویر کشی کی۔ تاہم اِس بات کا بھرپور خیال رکھا کہ جرأتِ عشق، اخلاقی حدوں کو پار نہ کرے۔ حسرت خود اپنے اندازکی تعریف کرتے ہیں:

شعر در اصل ہیں وہی حسرت

سنتے ہی دل میں جو اتر جائے

اختر اور ینوی نے حسرت کی عشقیہ شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ" حسرت کے تجرباتِ محبت میں بڑی نیرگی، تنوع اور وسعت ہے۔ عالمِ عشق کے جدید زاویے اُس کی شاعری سے روشن ہوتے ہیں۔) "قدر و نظر صفحہ(113

سادگیِ عشق کی سب سے بہتر مثال اُن کی وہ مشہور غزل ہے جسے فلم" نکاح "میں گیت کے طور پر شامل کیا گیا تھا یعنی—

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے

ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

یہ پوری غزل اپنی عظمت اور ہمہ گیری کی خود مثال ہے۔ ہر وہ شخص جو وارداتِ حسن و عشق کا تجربہ رکھتا ہے وہ اپنا عکس اِس غزل کے کسی نہ کسی حصّہ میں ضرور پاتا ہے۔ عشق اور محبت کے جذبے میں معصومیت اور محبوب کے تصور میں پاکیزگی کے عناصر کو داخل کر کے حسرت نے اردو غزل کو نئے تجربے اور نئے اسلوب سے ہم کنار کیا۔ اگر بغور دیکھیں تو حسرت، حسن و عشق کا بہت صحیح ذوق اپنے اندر رکھتے تھے۔ اُن کے یہاں جسمانی اور غیر جسمانی کے درمیان کوئی تفاوت نہیں تھا۔ انور سدید نے درست لکھا ہے کہ

" انہوں(حسرت)نے حقیقی پردہ دار عورت کو غزل میں محبوب کا درجہ دیا اور جذباتی محبت، دیانت داری اور وفا شعاری کا چلن پیدا کیا" ۔(اردو کی مختصر تاریخ صفحہ352)

نہ بھولے گا وہ وقت رخصت کسی کا

مجھے مڑ کے پھر اک نظر دیکھ لینا

وہ شرمائی صورت وہ نیچی نگاہیں

وہ بھولے سے اُن کا اِدھر دیکھ لینا

حسرت نے ایک جگہ تصوف پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ" میں تصوف کو مذہب کا جوہر سمجھتا ہوں اور تصوف کا ماحصل میرے نزدیک عشق ہے۔ "میں سمجھتی ہوں کہ یہی وہ جذبۂ عشق ہے جو اُن کی شاعری میں بنیادی مرکز و محور بنا ہے۔ اُن کی زندگی پر گہری نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ وہ کس قسم کے ذہنی تضادات کے شکار تھے۔ اُن کی طبیعت میں ضد کا عنصر بھی تھا۔ ایک قسم کے باغیانہ جذبے سے بھی سرشار تھے۔ اس قسم کی بہت سی ایسی باتیں ہیں جو اُن کی زندگی کو ناکامی کی طرف لے گئیں۔ مزاج کے اُتار چڑھاؤ نے کبھی انہیں کسی ایک موقف پر قائم نہیں رہنے دیا۔ جو چیز اُن کی زندگی کا المیہ بنی، وہ اُن کے جذبۂ عشق سے ہم آہنگ ہوگئی اور اسی متضاد کیفیتوں کی ہم آہنگی نے اُن کی غزلیہ شاعری کو دو آتشہ بنا دیا اور وہ حسن و عشق کے تجربات کو دلکش شعری پیکر عطا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ حسرت کے جن اشعار میں عارفانہ رنگ گہرا ہے وہ عشق کے حقیقی اور مجازی دونوں صورتوں کے حسن کو بڑھاتا ہے۔

تم پر مٹے تو زندۂ جاوید ہوگئے

ہم کو بقا نصیب ہوئی ہے فنا کے بعد

دیکھو جسے ہے راہِ فنا کی طرف رواں

تیری محل سرا کا یہی راستہ ہے کیا

حسرت کی عشقیہ شاعری میں جو قوتِ تاثیر ہے وہ اُن کے تصورِ عشق کو پامال نہیں ہونے دیتا۔ اُن کے اظہارِ عشق میں احتیاط رکھ رکھائو اور پاکیزگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس لیے اُن کی شاعری میں محبت اور محبوب کا تصور معیاری ہے اور عریانیت سے پاک ہے۔ وزیر آغا نے اِن کے تصورِ عشق کی انہیں خوبیوں ے سبب لکھا ہے کہ

" انہوں(حسرت)نے غزل میں زمین پر ننگے پائوں چلنے کی روایت قائم کی۔) "اردو شاعری کا مزاج صفحہ(276

حسرت کے تصورِ عشق کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ انہیں شری کرشن جی سے بڑی عقیدت تھی۔ حسرت کو قریب سے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ وہ جنم اشٹھمی کے موقع پر متھرا ضرور جاتے تھے۔ شری کرشن کا گوپیوں سے عشق، اُن کا بانسری بجانا، ورنداون کے خوبصورت مناظر اور دریائے جمنا کی سبک خِرامی، وہ محرکات ہیں جن سے حسرت نے گہرا اثر قبول یا۔ اگر مذکورہ محرکات کو حسن و عشق کی علامت خیال کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی یہ رواداری عشق کے عالمگیر تصور ہی کو ظاہر کرتی ہے۔ حسرت کا موضوعِ سخن چوں کہ عشق تھا اس لیے آگہی کا ذریعہ بھی وہ عشق ہی کو سمجھتے تھے اور شری کرشن کو وہ عشق کی ایک علامت قرار دیتے تھے۔

متھرا کہ نگر ہے عاشقی کا
دم بھرتی ہے آرزو اُسی کا
ہر ذرّۂ سَرزمینِ گوکل
دارا ہے جمالِ دلبری کا
بَرسَانہ وہ نندگائوں جاکر
دیکھ آئے ہیں جلوہ ہم کسی کا
پیغامِ حیاتِ جاوداں تھا
ہر نغمہ کشن کی بانسری کا
وہ نورِ سیاہ تھا کہ حسرتؔ
سر چشمہ فروغِ آگہی کا

رشید احمد صدیقی نے حسرت کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ کئی اعتبار سے درست معلوم ہوتا ہے کہ

''حسرت کے یہاں عشق کا تصوّر اتنا مجرّد نہیں ہے جتنا مُشخّص یا مجازی۔ ''یا'' حسرت کا عشق گھریلو ہے بازاری نہیں، انسانی ہے خانقاہی نہیں، مجازی ہے ماورائی نہیں''۔ (کچھ حسرت کے بارے میں، کلیاتِ رشید احمد صدیقی، جلد چہارم، حصہ دوم، صفحہ 84-183 ۔)

اس لئے حسرت کے یہاں معشوق کا جو تصور ہے وہ فرضی اور روایتی معشوق کے تصور سے الگ نظر آتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اُن کا معشوق مشرقی روایت کا پیکر ہے جس میں حسن، حیا، سادگی، گھریلو پن اور وقار موجود ہے۔ حقیقی اور دنیاوی معشوق کے کردار کو حسرت نے جس اعتبار سے اپنی غزلوں میں پیش کیا ہے وہ خود اُن کی شائستہ مزاجی کا پتہ دیتے ہیں۔ اُن کی نرم گفتاری، بیان کی سادگی، خفا ہونے کا انداز، روٹھنے اور مان جانے کی ادا، جذبۂ ایثار، احترامِ آدمیت، وغیرہ سے نہ صرف اُن کے عشقیہ تصور کا نقش واضح ہوتا ہے بلکہ معشوق کے کردار کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔

دلِ مایوس بھی عجب شئے ہے
پھر اُسی کا خیال کرتا ہے

وہ بگڑا بھی کبھی مجھ سے تو منّے کے لیے
یاد ہے انداز تیرے جَورِ لطف آمیز کا

ملتے ہیں اِس ادا سے کہ گویا خفا نہیں
کیا آپ کی نگاہ سے ہم آشنا نہیں

وہ دن اب یاد آتے ہیں کہ آغازِ محبت ہیں
نہ چالاکی تجھے اے شوخ آتی تھی نہ عیّاری

ہم سے پوچھا نہ گیا نام و نشاں بھی اُن کا
جستجو کی کوئی تمہید اٹھائی نہ گئی

وہ جرمِ آرزو پر جس قدر چاہیں سزا دے لیں
مجھے خود خواہشِ تعزیر ہے ملزم ہوں اقراری

حسرت عشق کے میدان میں بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ غم اٹھانے کو تیار رہتے ہیں اور قربان ہو جانے کے لیے بھی۔ عشق اور محبوب کے جس نئے تصور کو حسرت نے اردو غزل میں رواج دیا وہ عام زندگی کے تجربوں سے

بہت قریب تھا۔ اُن کی غزلوں میں عشقیہ خیالات کا یہ انداز اور اسلوب کی سلاست اور روانی، اُن کی غزلوں میں مٹھاس اور معنی خیزی پیدا کرتی ہے۔ قاری کے ذہن و دل کو ایک نئی تازگی بخشتی ہے جس سے قاری خود اپنے تجربوں میں حسرت کو اور حسرت کے تجربوں میں اپنے آپ کو یکساں محسوس کرنے لگتا ہے۔ محبت اور غم کے جذبے کو ہم آہنگ کرکے حسرت نے اپنی غزل گوئی کو منفرد بنا دیا۔ عشق اور محبت تصور کی بازیابی میں حسرت نے جس قسم کے جذبات، قلبی واردات، جوش و شوق، لطافتِ بیان، والہانہ شگفتگی، نزاکت اور بانکپن کا اظہار اپنی غزلوں میں کیا اُن سے جدید غزل کو ایک نئی سمت اور نئی زندگی ملی۔ اردو غزل کے عشقیہ تصور میں مذکورہ تغیرو تبدّل اور تجدیدو تجربے کے لیے حسرت ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔

☆☆☆